کے بعض حصے اس کے بعض حصوں کی تفسیر کرتے ہیں (القرآن یفسر بعضه بعضاً) اس لئے قرآن کو سمجھنے کے لئے پورے قرآن پر نگاہ رکھنی چاہئے۔

داخلی ذرائع کے علاوہ قرآن فہمی کے کچھ خارجی ذرائع بھی ہیں۔ جاہلیت کے رسوم و عقائد اور جاہلی تہذیب پر اگر ہماری نظر نہیں ہے تو قرآن کے کتنے ہی بیانات کی اہمیت و معنویت سے ہم بے خبر ہی رہ جائیں گے۔ پھر اس کے لئے دور نبوت کی صحیح تاریخ، صحیح احادیث اور صحیح روایات کی پہچان بھی ضروری ہے۔ تفسیر اور شان نزول کے سلسلہ کی روایات بالعموم قرآن فہمی میں رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں۔

قرآن فہمی کے خارجی ذرائع میں کتب سابقہ (تورات، زبور، انجیل) اور اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی تاریخ کا علم بھی ضروری ہے۔ خارجی ذرائع میں ایک اہم ذریعہ عرب کا جاہلی کلام ہے۔ خاص طور سے قرآنی لغات کے سمجھنے میں عربی کی ڈکشنریوں کے مقابلے میں عرب کا جاہلی کلام زیادہ بھروسہ کے لائق ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ داخلی اور خارجی سبھی ذرائع سے مولانا نے اپنی تفسیر میں مدد لی ہے۔

خارجی اور داخلی ذرائع کے استعمال کے علاوہ مفسر کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت توفیق الٰہی کا طالب رہے۔ قرآنی آیات کی صحیح تاویل و تفسیر میں اگر کسی کو کامیابی حاصل ہوتی ہے تو وہ خدا کی توفیق و تائید ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

گہرے غور و فکر کے بعد مولانا اس بات پر مطمئن دکھائی دیتے ہیں کہ قرآن کی سورتوں کی تنظیم سات گروپوں میں ہوئی ہے۔ ہر گروپ کی اپنی کچھ امتیازی خصوصیات ہیں اور اس کے اپنے کچھ مخصوص مباحث ہیں۔ ہر گروپ کی ابتدا مکی سورہ یا مکی سورتوں سے ہوتی ہے اور اس کا خاتمہ مدنی سورہ یا مدنی سورتوں پر ہوتا ہے۔ مکی سورتوں سے دین کی اصل اصولوں پر خاص طور سے روشنی پڑتی ہے۔ احکام و شرائع اصلاً مدنی سورتوں میں بیان ہوئے ہیں۔ مولانا کے نزدیک یہ سات گروپ گویا قرآن کے سات ابواب ہیں جن میں سورتوں کی حیثیت فصلوں کی ہے۔ ابواب اور ان کی فصلوں میں مضامین کا اشتراک پایا جاتا ہے اور ہر ایک باب کا اپنا ایک خاص امتیاز ہے جو

اسے دوسرے ابواب سے ممتاز کرتا ہے۔ ہر سورہ یا فصل اپنے ساتھ اپنا ایک جوڑا بھی رکھتی ہے، یعنی سورتیں توام واقع ہوئی ہیں۔ توام سورتوں میں باہم گہرا ربط و تعلق پایا جاتا ہے۔ قرآن کے یہ سات گروپ مل کر قرآن عظیم کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ ان کا یقین ہے کہ حدیث انزل القرآن علی سبعة احرف میں اشارہ انہی سات گروپوں کی طرف ہے، جو تلاوت کرنے والوں کو صاف نظر آتے ہیں۔ رہی بات قرأتوں کے اختلاف کی تو وہ مولانا کے نزدیک اصلاً تاویل کا اختلاف ہے۔ کسی نے تاویل ایک لفظ سے کی، کسی نے تاویل کے لئے دوسرا لفظ استعمال کیا۔ (۱)

۶ سورہ الفاتحہ نظم قرآن کا ایک واضح نمونہ ہے۔ مولانا نے لکھا ہے کہ اس سورہ میں قرآن حکیم اپنے اسلوب بیان اور اپنے نظم کلام کی ہیئت دونوں ہی پہلوؤں سے ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ سورہ الفاتحہ قرآن کے علوم سہ گانہ کی جامع سورہ ہے۔ (۲) قرآن کی ابتداء حمد سے ہوتی ہے اور وہ درجہ بدرجہ ظاہری وباطنی اصولوں کی تفصیل کرتا ہوا فتح (سورۃ النصر)، مخالفین کی ہلاکت (سورہ اللھب) اور تکمیل نبوت تک پہنچ جاتا ہے۔ اور اس کے بعد سورہ الاخلاص نمودار ہوتی ہے۔ سورہ الاخلاص کی حیثیت اصل میں آخری عہد کی ہے۔ اور سب سے آخر میں معوذتین کو رکھا گیا ہے جن کی حیثیت پہرہ دار یا محافظ کی ہے۔ اور سورہ الفاتحہ کی بھی یہی شان ہے۔ اس کا آغاز حمد سے ہوتا ہے۔ پھر عدل کا مضمون بیان ہوتا ہے جو تمام معاملات پر حاوی ہے۔ پھر عبادت واستعانت کا ذکر آتا ہے جو انسانی زندگی کا حاصل ہے۔ پھر صراط مستقیم نمودار ہوتی ہے اور آخر میں تعوذ ہے جس میں معوذتین کی طرح تعوذ ظاہری اور تعوذ باطنی دونوں کا لحاظ پایا جاتا ہے۔ قرآن کی طرح سورہ الفاتحہ بھی جنت عدن کے مثل ہے جس پر دو کروبیوں کا پہرہ ہے۔

قرآن کی ہر سورہ کا اپنا ایک مرکزی موضوع ہے۔ سورہ کے جملہ مباحث اس کے گرد گردش کرتے ہیں۔ تدبر قرآن میں اس کا التزام پایا جاتا ہے کہ ہر سورہ کے مرکزی موضوع یا عمود کی وضاحت کردی جائے۔ تدبر قرآن کی ایک خصوصیت یہ بھی

ہے کہ اس میں التزام کے ساتھ ہر سورہ کے خاتمہ کی آیات کی تعیین کردی گئی ہے جس کا تعلق قریب کی آیات کے بجائے پوری سورہ سے ہوتا ہے اور جس میں بالعموم سورہ کا ماحصل بیان کیا جاتا ہے۔ (۳)

مولانا نے اپنی تفسیر میں تضمینات کو بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ تضمین سے مراد وہ آیت یا آیات ہیں جن کی حیثیت کسی کے بیان میں تضمین کی ہوتی ہے۔ قرآن میں مختلف مقامات پر ایسا دیکھنے کو ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی تقریر یا قول نقل کرتے ہوئے اس کے ساتھ کچھ باتیں اپنی جانب سے بڑھا دیتا ہے۔ اس سے مقصود دراصل تقریر کے کئی پہلو کی وضاحت ہوتی ہے۔ اسی طرح بیان میں اگر کوئی کمی رہ گئی ہوتی ہے تو تضمین کے ذریعہ سے اس کمی کو دور کردیا جاتا ہے۔ اس طرح جہاں کہیں کوئی لطیف تلمیح پائی جاتی ہے یا کہیں قرآن نے لطیف تعریض سے کام لیا ہے تو مولانا اپنی تفسیر میں اسے بھی واضح کرتے چلتے ہیں۔

قرآن کے اسلوب کے سلسلہ میں صاحبِ تدبر قرآن نے ایک نہایت اہم اور بنیادی بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو نظم کلام کو سمجھنے میں مددگار ہو سکتی ہے۔ مولانا نے لکھا ہے کہ قرآن کا یہ طریقہ ہے کہ ایک بات کے بیان کے لئے اگر موزوں حالات پیدا ہو گئے ہیں تو وہ وسیع دائرہ میں برس جاتا ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ کی تفسیر میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

> "حج کے تعلق سے جہاد، جہاد کے تعلق سے انفاق، انفاق سے جوئے اور شراب اور ساتھ ساتھ ہی یتامی کی ہمدردی کے مسائل پیدا ہو گئے۔ اس طرح یتامی کی ماؤں کے ساتھ نکاح کے مسئلہ نے طلاق، نکاح سے متعلق مناسب وقت مسائل بیان کرنے کی تقریب پیدا کردی۔ دوسری طرف عورتوں کے تحفظ کے تقاضے سے محض ہدایات واحکام کے نزول کے لئے نہایت سازگار فضا پیدا ہو گئی؟" (۴)

اسی طرح سورۃ المائدہ کی تفسیر میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ شعائر الٰہی کے

احترام کی بات آگئی تو اس نے دوسرے معروف شعائر بیت الحرام، شہر الحرام، ہدی، قلائد کی بھی یاد کرادی۔ (۵)

بعض سورتوں کا آغاز حروف مقطعات سے ہوا ہے۔ مولانا کے نزدیک مقطعات حروف آواز نہیں ہیں بلکہ وہ معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہ حروف جن سورتوں کے آغاز میں آئے ہیں ان سورتوں کے بنیادی مضامین کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ایک طرح سے یہ سورتوں کے نام ہیں۔ بعض حروف مقطعات کی تصریح بھی مولانا نے کی ہے۔ جس سے غور و فکر کی راہ کھلتی ہے زبور کے بعض حمدیہ ترانوں کے آغاز میں بھی اس طرح کے حروف ملتے ہیں۔ جن پر غور کرنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ حروف بامعنی ہیں اور آگے جو کچھ بیان ہونے والا ہے اس کے بنیادی مضمون کی طرف یہ اشارہ کرتے ہیں۔ (۶)

تدبر قرآن میں مولانا نے اس کا بھی التزام کیا ہے کہ وہ سورتوں کے اہم الفاظ کی پہلے تحقیق کرتے اور ان کا اصل مفہوم متعین کرتے ہیں تاکہ قرآن کی آیات کے سمجھنے میں دشواری پیش نہ آئے۔ یہاں بطور مثال چند اہم الفاظ کے سلسلہ میں ان کی تحقیق کا حاصل درج کیا جاتا ہے:

ہدیٰ:

۱۔ قلبی نور و بصرت (محمد: ۱۷)

۲۔ دلیل و حجت، نشانِ راہ (طٰہٰ: ۱۰)

۳۔ سیدھا صاف راستہ (الحج: ٦٨)

۴۔ فعل ہدایت (البقرہ: ۲۷۲)

مولانا کے نزدیک ہدایت کا آخری مرحلہ آخرت ہے اس مرحلے میں غایت و مقصود کی طرف ہدایت ہوتی ہے۔ اور بندہ اپنے سعی و جہد کے حاصل کو پالیتا ہے۔ مولانا کے نزدیک ہدیٰ کسی شخص کو اسکی کوششوں میں بامراد کردینے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ (۷)

تقویٰ :

۱۔ جس سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو اس سے بچنا (المزمل : ۱۷)

۲۔ کسی آفت کے ظہور سے اندیشہ ناک رہنا (الانفال : ۲۵)

۳۔ رب سے ڈرتے اور کانپتے رہنا جو کفر و معصیت کو ناپسند کرتا ہے اور ظاہری اور پوشیدہ سب سے باخبر ہے۔
شکر گزاری اور وفاداری کو پسند کرتا ہے

۴۔ تینوں مفہوموں کا جامع یعنی گناہ سے اس کے نتائج اور خدا کے ڈر سے بچتے رہنا۔(۸) (آل عمران : ۱۷۹)

ایمان :

امن سے ہے ، ایمان کے معنی امن دینے کی ہیں۔ صلہ لام آئے تو تصدیق کرنے کے معنی بھی ہوتے ہیں اور صلہ ب کے ساتھ آئے تو یقین اور اعتماد کرنے کے معنی ہوں گے۔(۹)

حق :

۱۔ جس کا ہونا قطعی ہو

۲۔ اخلاقی پہلو سے واجب ہو

۳۔ اختلاف کے درمیان قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہو۔

۴۔ غایت اور مقصد کا مفہوم رکھتا ہو

۵۔ اپنے ظہور کے لحاظ سے بالکل واضح ہو۔(۱۰)

جہل :

یہ علم اور علم و دانش کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے۔ جوش و ہیجان کے معنی میں بھی آتا ہے۔(۱۱)

عبرت :

ایک حقیقت سے دوسری حقیقت تک عبور کرنا

۱۔ مجرد فیصلہ (الانبیاء : ۷۸، المائدہ : ۵۰)

۲۔ قوت فیصلہ اور بصیرت (الانبیاء : ۴۷، مریم : ۱۲)

۳۔ امر و حکم کے معنی میں (۱۲) (غافر : ۱۲، القصص : ۷۰)

بکّۃ :

مکہ کو بکّہ کے نام سے ذکر کر کے در حقیقت قرآن نے مکہ کے قدیم نام کی یاد دہانی کی ہے۔ تورات کے صحیفوں میں سے بعض صحیفوں میں اب بھی یہ نام پایا جاتا ہے۔ مثلاً زبور میں (۱۳)

رزق :

اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ عام روزی کے علاوہ انوار و برکات الٰہی اور نغمات روح اور ایمان کے لئے قرآن میں رزق کا لفظ آیا ہے۔ (آل عمران : ۳۷) خدا کا دیدار، اس کا سلام و پیغام اور اس کا التفات و اکرام سب اپنے میں رزق کا مفہوم رکھتے ہیں۔ (۱۴)

غثاء احوی :

احوی اس سیاہی کے لئے نہیں آیا جو کسی "چیز کی بوسیدگی اور پامالی کے سبب سے پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ یہ اس سیاہی مائل سرخی یا سبزی کے لئے آتا ہے جو کسی شئے کی تازگی، شادابی اور جوش نمو کی وجہ سے اس پر ظاہر ہوتی ہے۔ قرآن میں غثاء کی صفت احوی آئی ہے اس لئے لازماً فَجَعَلَهٗ غُثَاۗءً اَحْوٰی (الاعلی۔ (۵) کے معنی ہوں گے۔ "پھر سے سرسبز و شاداب کر دیا۔" عام طور سے اس کا جو مفہوم لیا جاتا ہے وہ صحیح نہیں ہے نظم کلام سے بھی اس مفہوم کی تائید و تصدیق نہیں ہوتی۔ (۱۵)

تدبر قرآن میں قرآن کے بعض اہم اسالیب پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کا جاننا قرآن فہمی کے لئے ضروری ہے یہاں چند مثالیں دی جا رہی ہیں :

قرآن کبھی جملے میں مبتدا کو حذف کر دیتا ہے اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کی ساری توجہ خبر پر مرکوز ہو۔ مثلاً اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِیْرًا (الفرقان۔۵۹) میں الرحمٰن خبر ہی مبتداء محذوف ہے۔ یہاں مبتدا کو محذوف کر دینے سے مقصود یہ ہے

کہ مخاطب کی ساری توجہ خبر پر مرکوز ہو۔اور اللہ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ رحمٰن ہے اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ کائنات بے مقصد نہیں ہے۔بلکہ خدا نے اسے اپنی رحمت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔(۱۶)

اس طرح سورۃ الاحقاف کی آیت بلٰغ فھل یھلك الا القوم الفٰسقون (۳۵) میں بلٰغ مبتدائے محذوف کی خبر ہے۔ توجہ خبر پر مرکوز کرنے کے لئے مبتدا کو حذف کر دیا ہے۔(۱۷)

قرآن میں کہیں جواب شرط کو محذوف کر دیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ العلق میں ہے :اَرَئَیْتَ اِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی (۱۳)"تمہارا کیا خیال ہے ؟اگر وہ (روکنے والا) جھٹلانے والا اور منہ موڑنے والا ہوا تب تو(اس کے گمراہ ہونے اور اس کے ہلاکت میں پڑنے میں کوئی شک نہیں)"اس آیت میں جواب شرط محذوف ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ بعض شرط کا جواب احاطہ بیان سے باہر ہوتا ہے اس وجہ سے اسے حذف کر دیتے ہیں قاری یا سامع خود تصور سے کام لے کر خلا کو پُر کرنے کی کوشش کرے۔(۱۸)

کہیں قرآن میں وقف نہایت بلاغت کا حامل ہوتا ہے۔ جو غور فکر کرنے سے سمجھ میں آتا ہے۔ مثلاً سورہ سبا میں ہے : تَتَفَکَّرُوْا قفة مَا بِصَاحِبِکُمْ مِنْ جِنَّةٍ اِنْ ھُوَ اِلاَّ نَذِیْرُ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ(۴۶)"غور کرو، تمہارے رفیق کو کوئی جنون نہیں ہے وہ تو ایک سخت عذاب سے پہلے تمہیں خبر دار کرنے والا ہی ہے۔"

مولانا فرماتے ہیں ۔تَتَفَکَّرُوْا کے بعد وقف ہے۔ غور و فکر کے لئے یہاں تھوڑا سا وقت دیدیا۔ اور پھر اس کے بعد غور و فکر کا نتیجہ پیش کر دیا۔ اس قسم کے وقف کی مثالیں قرآن میں متعدد جگہ پائی جاتی ہیں۔(۱۹)

تدبر قرآن میں دکھایا گیا ہے کہ قرآن کا ایک خاص اسلوب یہ بھی ہے کہ تحریص و تشویق کے لئے امر کو خبر یہ اسلوب میں لاتے ہیں اور اگر استفہام آجائے تو اس میں مزید زور پیدا ہو جاتا ہے۔

تدبر قرآن میں بعض مشکل آیات کی ایسی تشریح کی گئی ہے کہ مشکل اس

طرح حل ہو جاتی ہے اور اس کے لئے تاویل بعید کی ضرورت سرے سے پیش ہی نہیں آتی۔ مثلاً

سورہ البقرہ میں ہے :وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی (۱۹۷)

''زادراہ لے لو کیونکہ بہتر زادراہ تقوی ہے۔''

مولانا فرماتے ہیں کہ اس آیت کی اصل ترکیب یہ ہے۔

تَزَوَّدُوْا التَّقْوٰی فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی

یعنی تقوی کا زادراہ لے لو کیونکہ بہتر ازادراہ تقوی ہے۔ فان جب اس طور پر آتا ہے تو در حقیقت وہ اپنے ماسبق کی توجیہ و تعلیل کے لئے آتا ہے۔(۲۰)

ترکیب کے لحاظ سے ایک اور مشکل آیت سورہ النحل کی ہے۔ فاذا قھا اللہ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ۔(۱۱۲)اس کی اصل ترکیب یہ ہے۔ :

فاذاقھا اللہ طعم الجوع والبسھا لباس الخوف

''یعنی پھر اللہ نے انہیں بھوک کا مزہ چکھایا اور خوف کا جامہ پہنایا''(۲۱)

المائدہ کی آیت ہے شَرْعۃ وَمِنْھَاجًا (۴۸)''ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک راستہ مقرر کیا ہے۔''

اس آیت کے بارے میں لوگوں کو بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اس میں رواداری کی تعلیم دی گئی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ آیت اظہار رواداری کے لئے نہیں ہے بلکہ اس میں گمراہوں کے رویہ سے بیزاری ظاہر کی گئی ہے۔ اس کی نظیر قرآن کے دوسرے مقامات پر بھی ملتی ہے۔ مثلاً ایک جگہ ہے :

وَلِکُلٍّ وِجْھَۃٌ ھُوَ مُوَلِّیْھَا (البقرہ:۱۴۸)

ظاہر ہے کہ یہاں اہل کتاب کے ساتھ رواداری برتنے کی بات نہیں کی گئی ہے۔اس طرح سورہ الحج میں ہے :

لِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا منسکا ھم ناسکوہ (۶۷)

''ہر امت کے لئے ہم نے ایک طور طریق ٹھہرادیا ہے جس کی اس کے لوگ

پیروی کرتے ہیں"

یہاں بھی ہر امت کے روش اور طریق عبادت وغیرہ کو سند جواز عطا نہیں کیا جارہا ہے۔بلکہ امتوں کے طرز عمل کا ذکر ہے۔ طریق حیات یا شریعت تو وہی درست ہوگی جس کی تعلیم خدا نے اپنے رسولوں کے ذریعہ سے دی ہو۔(۲۲)

تدبر قرآن میں اس پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ خدا نے جس گناہ یا نافرمانی کی جو سزا تجویز کی ہے اس سزا اور اس گناہ یا نافرمانی کے درمیان مناسبت پائی جاتی ہے۔ مثلاً سرکشوں اور متکبرین کو ذلت آمیز عذاب دیا جائیگا۔ یا جو لوگ دنیا کی زندگی میں قعر مذلت و ہلاکت سے نہیں نکلے وہ آخرت میں بھی اس سے بھاگ نہ سکیں گے۔یا حق سے منھ موڑنے ہی کو جن لوگوں نے اپنا شیوہ بنالیا ان کے چہرے پیچھے کی طرف الٹ دئے جائیں گے۔

قرآن اپنے مضامین اور اسالیب کے لحاظ سے کوئی سپاٹ قسم کا کلام ہرگز نہیں ہے۔اور نہ ایسا ہے کہ قرآن اسرار و رموز اور علم و معارف کے بیان سے خالی ہو۔ قرآن کا اپنا فلسفہ ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی اس راز سے بخوبی واقف معلوم ہوتے ہیں کہ قرآن کا فلسفہ محض فلسفہ نہیں ہے بلکہ انسانی نفسیات سے بھی اس کا نہایت گہرا تعلق ہے۔اس لئے قرآن میں فلسفہ اور نفسیات کا مطالعہ الگ الگ کرنے کے بجائے ایک ساتھ کرنا زیادہ بہتر ہے۔

مولانا اصلاحی کی نظر میں فلسفہ دین کا نصف حصہ شکر سے اور باقی نصف حصہ صبر سے تعلق رکھتا ہے پھر صبر سے انسانی زندگی اگر خالی ہے تو وہ شکر کا حق ادا کرنے سے بھی قاصر رہے گا۔ مولانا کے نزدیک ایمان کی اصل خدا کی محبت ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> "ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں جس سے ہم محبت کرتے ہیں۔ پھر ایمان کی بنیاد شکر ہے۔ اگر کوئی منعم کا حق تسلیم نہیں کرتا جو اس کی نوازش کا مقتضا ہے تو لازماً اسے ظلم ہی سمجھا جا سکتا ہے یہی راز ہے کہ قرآن میں شرک کو ظلم اور ایمان کو شکر قرار دیا گیا ہے۔"

عقائد و نظریات کے درمیان پائے جانے والے باہمی ربط و تعلق کے بارے میں موصوف نے ایک اہم حقیقت کا انکشاف کیا ہے جس کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ لکھتے ہیں:

"عقائد ایک دوسرے سے وابستہ اور پیوستہ ہیں۔ عبادات و طاعت عقائد سے اس طرح پیدا ہوتی ہے جیسے تنے سے شاخیں پھوٹتی ہیں۔ اعمال واخلاق اپنے اصول سے اس طرح ظہور میں آتے ہیں جیسے ایک شے سے اس کی قدرتی اور فطری لوازم ظہور میں آتے ہیں۔"

ایک جگہ قرآن کی روشنی میں ایک نہایت حکیمانہ بات لکھی ہے:

"تمام دین و شریعت کی بنیاد درحقیقت اللہ کی صفات اور ان کے مقتضیات ہی پر ہے"

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"فلسفۂ دین کے اعتبار سے جذبۂ شکر کی تحریک سے سب سے پہلے نماز وجود میں آتی ہے۔ اور پھر نماز انفاق کے لئے محرک بنتی ہے اور پھر ان دو چیزوں پر شریعت کا پورا نظام قائم ہوتا ہے۔"

خالق کے ساتھ بندے کے تعلق کے بارے میں صاف الفاظ میں لکھتے ہیں:

"خالق کے ساتھ بندے کا تعلق محبت کی بنیاد پر ہے نہ کہ مجرد خوف کی بنیاد پر مجرد خوف پر کسی کا حق قائم نہیں ہوتا اور حق بھی عبادت کا۔"

یعنی عبادت کے حق کا تو محبت کے بغیر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ شرک کی بنیاد مولانا کی نگاہ میں تمام تر خوف پر ہی ہے۔

عقیدۂ آخرت کو قرآنی فلسفہ میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ عقیدہ آخرت کے بغیر سب کچھ باطل قرار پاتا ہے۔ پھر کوئی چیز معتبر نہیں رہتی۔ مولانا نے قرآن کی روشنی میں کتاب الٰہی کا اصل مقصد یہ قرار دیا ہے کہ "وہ اس دنیا کی زندگی میں وہ جلوہ دے کہ لوگ اللہ کی ملاقات پر ایمان لائیں اور اسی کو نصب العین بنا کر زندگی کا سفر

طے کریں۔"(۲۳)

مولانا کے نزدیک لَعَلَّهُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ (انعام ۱۵۴) کے الفاظ اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

اسی طرح شریعت کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے رب سے وابستہ رکھے اور ان کی زندگیوں میں صفات الٰہی کے عکس کے سوا کچھ اور دکھائی نہ دے۔ مولانا لکھتے ہیں :

"تمہارا رب تمہارے اندر اپنی صفات کا عکس دیکھنا چاہتا ہے۔"

آخرت کے بارے میں قرآن کی روشنی میں نہایت حکیمانہ تحریر فرمائی ہے۔ مولانا کے نزدیک قیامت در حقیقت خدا کے عدل، قدرت اور رحمت کے ظہور کے لئے ہے۔ قیامت کے انکار سے خدا کی ان بنیادی صفات کی نفی ہو جاتی ہے قیامت پر یقین نہ ہو تو خدا کو ماننا اور نہ ماننا دونوں یکساں ہو جائیں گے۔

دنیا میں قوموں پر عذاب آتا ہے تو اس عذاب و ہلاکت کی اصل حیثیت ان قوموں کی گرفتاری کی ہے۔ وہ در حقیقت میں آخرت کے عذاب ہی کے لئے پکڑی جاتی ہے۔ مولانا کے نزدیک ان دونوں (دنیا و آخرت) کے عذابوں میں صرف آغاز اور تکمیل کا فرق پایا جاتا ہے۔

مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھایا جانا ذرا بھی مستبعد نہیں ہے مولانا آیات قرآنی کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کا ریہرسل تو برابر ہو رہا ہے آدمی پر نیند طاری ہوتی ہے اور اسے روزانہ صبح جگا دیا جاتا ہے۔ یہ قیامت کے روز زندہ کر کے آدمی کے اٹھائے جانے کا ایک طرح سے ریہرسل ہے۔ لیکن اسے سمجھنے کے لئے بصیرت اور حساس دل و دماغ درکار ہیں۔ ہمارا سونا جاگنا خدائی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی ہے۔

تفسیر تدبر قرآن میں مولانا کے قلم سے بعض باتیں ایسی بھی نکلی ہیں جو نہایت لطیف اور نازک ہیں۔ اور دین میں ان کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ان میں چند ایک تذکرہ نامناسب نہ ہو گا۔

عیش چند روزہ کے بارے میں قرآن کا بیان ہے :

ذٰلِكَ مَتَاعُ الحَيٰوةِ الدُّنْيَا (آل عمران : ۱۴) "یہ تو دنیا کی زندگی کے سروسامان ہیں" یہ ایک نہایت جامع فقرہ ہے۔ جس میں نہ صرف یہ کہ دنیا کی ناپائیداری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے بلکہ دینوی چیزوں کی بے وقعتی کا اظہار بھی فرمایا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ اس بات کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ عالم باقی کے مقابلے میں اس جہان فانی کی ناپائیدار لذتوں پر ریجھنے والے حماقت میں مبتلا ہیں۔ (۲۴)

ایک جگہ لکھتے ہیں :

"عبدیت کا اصل جمال اوابیت میں ہے۔ یعنی بندے کا دل ہر وقت خدا کی طرف متوجہ رہے اگر کسی وجہ سے غفلت چھا جائے تو اس طرح ٹوٹ کر اپنے رب کی طرف گرے کہ برسوں کی منزل منٹوں میں طے کر لے۔ کوئی گناہ سے جتنا کھوتا ہے اس سے کہیں زیادہ ہو اس سے پالیتا ہے۔" (۲۵)

ایک نازک احساس جو حقیقت پر مبنی ہے اس کے اظہار میں مولانا یہاں حد درجہ کامیاب نظر آتے ہیں۔

سورہ القمر کی آیت ۵۵ کی تفسیر کے ضمن میں لکھتے ہیں :

"اللہ کا قرب ہی ہے جو جنت کو جنت بناتا ہے ورنہ اس کی حیثیت ایک باغ سے زیادہ نہیں ہے۔"

سورہ المومنون کی تفسیر میں نماز وزکوۃ کے بارے میں لکھتے ہیں :

"نماز اور زکوٰۃ ایمان کے دو بازو ہیں۔" (۲۶)

گویا نماز اور زکوٰۃ نہ ہو تو ایمان ایک ایسے پرندے کے مانند ہو کر رہ جائے گا جس کے دونوں ہی بازو ٹوٹ گئے ہوں۔ اس سے بڑھ کر بے چارگی کی حالت اور کیا ہو سکتی ہے۔

سورہ الفرقان کی تفسیر میں ایک جگہ لکھتے ہیں :

"خدا نے عقل اور دل دونوں کو بیدار کرنے والی نشانیوں سے اس کائنات کے چپہ چپہ کو معمور کر رکھا ہے۔" (۲۷)

پھر اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ ”تذکر کا تعلق عقل کے فکر سے ہے جب کہ شکر دل سے تعلق رکھتا ہے۔ مولانا کے نزدیک ایک مومن کو ان دونوں سے آراستہ ہونا چاہئے“

سورہ الذاریات کی تفسیر میں آیت ۵۔۶ کی تحت ایک اہم نکتہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”عذاب دنیا کا ذکر تو فعل سے کیا گیا ہے اور آخرت کی جزاوسزا کا ذکر اسم ”دین“ سے کیا ہے۔اس کی وجہ واضح ہے کہ اس دنیا میں قوموں پر عذاب ایک امر حادث اور مشروط بشرائط وحالات ہوتا ہے۔لیکن جزاوسزا کا قانون اس دنیا کی خلقت کی غایت اور اس کا لازمی نتیجہ ہے۔اس وجہ سے پہلے کو فعل سے تعبیر فرمایا اور دوسرے کو اسم سے۔“(۲۸)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن فہمی کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کا ذہن ایک نہایت حساس آلہ کی طرح بیدار ہو۔اس کے بغیر وہ نازک حقائق جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں ذہن کی گرفت میں آہی نہیں سکتے۔

سورہ النور میں زانی اور مشرک کا ذکر ایک ساتھ کیا گیا ہے اس کی وجہ زنا اور شرک کی باہمی مشابہت ہے۔ مولانا لکھتے ہیں۔

”زنا اسی طرح کی اخلاقی نجاست ہے جس طرح عقائد کی نجاست شرک ہے۔ قرآن میں اس وصفی اشتراک کی وجہ سے شرک اور مشرکین کو نجس کہا گیا ہے“۔(۲۹)

دنیا کی مثال ایک سمندر کی ہے جس میں طوفان اور موجوں کے تھپیڑوں سے سابقہ پیش آتا رہتا ہے یہ موج اور طوفان در حقیقت گمراہ کن نظریات اور خواہشات نفس کے پرزور تھپیڑے ہیں۔ان سے محفوظ رہنے کے لئے اس بحر میں ایک سفینہ چاہئے۔ سفینہ نہ ہو تو ہلاکت یقینی ہے۔ مولانا سورہ العنکبوت کی آیات ۶۴۔۶۹ سے لطیف استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"یہ مامون حرم قریش کیلئے ایک سفینہ نجات کے مانند تھا۔"(۳۰) جو اس میں سوار ہوئے محفوظ رہے اور جنھوں نے اس کشتی کی قدر نہ کی ہلاکت سے وہ دوچار ہو کر رہے۔"

ایک اور لطیف نکتہ سورہ النساء کی آیت ۵۴ کی روشنی میں بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"سلطنت و خلافت کتاب و حکمت کے ثمرات و نتائج میں سے ہیں۔ کسی قوم کو کتاب و حکمت کی نعمت عطا ہو اور وہ قوم بھی سچی شکر گزاری کے ساتھ اسے قبول بھی کر لے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے امامت و خلافت کا منصب سونپ دیا گیا ہے۔"(۳۱)

سورہ المدثر کی آیت وَالَّیْلِ اِذْ اَدْبَرَ کے تحت لکھتے ہیں:

"یہ دنیا رات کے مانند ہے جس کی تاریکی صبح قیامت کو ڈھانکے ہوئے ہے یہ تاریکی کافور ہو گی اور قیامت اچانک نمودار ہو گی۔"(۳۲)

خلاصہ یہ کہ تفسیر تدبر قرآن اپنی گوناگوں امتیازی خصوصیات کے لحاظ سے ایک نہایت قیمتی سرمایہ ہے۔ اس کا مطالعہ وقت کا بہترین استعمال ہے کاش اس کی طرف لوگوں کی توجہ ہو سکے۔

حواشی

(۱) وضاحت کے لئے دیکھئے: مقدمہ تدبر قرآن، مولانا امین احسن اصلاحی، بار اول دار الاشاعت الاسلامیہ، لاہور، ۱۹۶۷ء ۱/ ا۔ع

(۲) ایضاً۔ ۱/ ۲۷

(۳) مقدمہ تدبر قرآن۔ ۱/ م۔ع

(۴) تدبر قرآن۔ ۱/ ۴۷۷

(۵) تدبر قرآن۔ امین احسن اصلاحی۔ بار اول، تاج کمپنی، دہلی، ۱۹۸۹ء ۲/ ۵۴۹،۵۵۴

(۶) وضاحت کے لئے دیکھئے۔ تدبر قرآن۔ ۱/ ۳۸۔۴۱

(۷) تدبر قرآن۔۱/ ۴۳۔۴۴

(۸) ایضا،۱/ ۴۴۔۴۵

(۹) ایضا،۱/ ۴۵

(۱۰) وضاحت کے لئے دیکھئے،ایضا،۱/ ۲۰۴

(۱۱) وضاحت کے لئے دیکھئے،ایضا،۲/ ۲۶۶

(۱۲) وضاحت کے لئے دیکھئے،ایضا،۲/ ۴۰

(۱۳) ایضا،۱/ ۷۴۷

(۱۴) تدبر قرآن۔ ۲/ ۷۸

(۱۵) تدبر قرآن۔امین احسن اصلاحی،بار اول، فاران فاؤنڈیشن، لاہور،۱۹۸۰ء،۸/ ۳۱۵

(۱۶) تدبر قرآن۔امین احسن اصلاحی،بار اول، تاج کمپنی، دہلی،۱۹۸۹ء،۵/ ۴۸۰۔۴۸۱

(۱۷) تدبر قرآن۔امین احسن اصلاحی،بار اول، تاج کمپنی، دہلی،۱۹۸۹ء،۷/ ۳۸۴

(۱۸) ایضاً۔۸/ ۴۵۷

(۱۹) تدبر قرآن امین احسن اصلاحی،بار اول، تاج کمپنی، دہلی،۱۹۸۹ء،۶/ ۳۳۷

(۲۰) ایضا۱/ ۴۴۱

(۲۱) تدبر قرآن،امین احسن اصلاحی،بار اول، تاج کمپنی، دہلی،۱۹۸۹ء ۴/ ۴۵۸

(۲۲) ایضا۔۲/ ۵۳۲۔۵۳۵

(۲۳) تدبر قرآن۔ فاران فاؤنڈیشن، ۱۹۸۳ء، ۳/ ۲۰۶

(۲۴) ایضا،۱/ ۶۴۲

(۲۵) ایضا،۶/ ۵۳۰

(۲۶) ایضا،۵/ ۲۹۸

(۲۷) ایضا،۵/ ۴۸۲

(۲۸) ایضا،۷/ ۵۸۱

(۲۹) ایضا،۵/ ۳۷۵

(۳۰) ایضاً،۶/ ۶۵

(۳۱) ایضا،۲/ ۳۱۷

(۳۲) تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور،۱۹۸۸ء ۹/ ۶۱

مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر تدبر قرآن
ایک مطالعہ

محمد عمر اسلم اصلاحی

قرآن حکیم کے معانی و مفاہیم کی توضیح و تفسیر اور اس کے معارف و حکم کی تشریح و تفہیم کے میدان میں علماء، مفکرین اور دانش وروں کی مساعی جملیہ کے نتیجہ میں جو گراں قدر، وسیع الاطراف اور متنوع ذخیرہ تفسیر وجود میں آیا ہے وہ مسلمانوں کے دینی اور علمی ورثہ کا ایک نہایت روشن باب ہے اور اس وصف خاص میں کوئی اور کتاب اس کی ہمسری کا دعوی نہیں کرسکتی۔ اس عظیم الشان ذخیرہ تفسیر میں تلمیذ فراہی مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر تدبر قرآن کو بعض حیثیات سے ایک خاص مقام حاصل ہے۔ نظم کے رہنما اصول کی روشنی میں لکھی جانے والی یہ نمائندہ تفسیر ہے اور اس نقطہ نظر سے قرآن حکیم کی تفسیر لکھنے کی یہ سب سے کامیاب کاوش ہے۔ اس تفسیر کے بعد اب فلسفہ نظم قرآن کوئی نظری علم نہیں رہ گیا بلکہ ایک متداول مکتب تفسیر بن چکا ہے اور فہم قرآن کے ایک اہم وسیلہ کی حیثیت سے اس کی قدر و قیمت اور اہمیت کا احساس واعتراف بڑھتا جارہا ہے۔ اس امتیاز خاص کے علاوہ بھی تدبر قرآن اپنی بعض دوسری خصوصیات کی لئے ممتاز ہے۔

ذیل میں تفسیر تدبر قرآن کی ان چند خصوصیات پر روشنی ڈالی جارہی ہے جو اس تفسیر کو دوسری تفسیروں سے ممتاز اور منفرد کرتی ہیں۔ جہاں تک ان خصوصیات کا تعلق ہے جو اس تفسیر اور دوسری بعض تفسیروں میں مشترک ہیں تو ان سے اس مضمون میں تعرض نہیں کیا گیا ہے۔